تصوف واصطلاحاتِ تصوف کی بنیادیں قرآن وسنت میں؛ ایک تجزیاتی مطالعہ

Sufism and the foundations of Sufism in the Qur'an and Sunnah: An Analytical Study

Haris Bilal

Doctoral Candidate, Institute of Islamic Studies and Shariah, MY University Islamabad Email: haris.bilal20@gmail.com

Ms. Farhat Yaseen

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, G.C.University Faisalabad Email: farhatyaseen65@gmail.com

Sufism is an expression of the aesthetics of Muslim civilization. It makes right acceptable and good worthy of action and makes them attractive to human feeling. When this knowledge and art became organized in the Muslim academic discourse, it remained in the stages of editing and completion for centuries. Many people with high consciousness cultivated this art. And it was served by the power of different linguistic crosses. The Indo-Muslim tradition has an unusual expression in Islamic history in this respect.

Sufis in the subcontinent introduced many people to Islam through Sufism and played their role in popularizing Islam. When Sufism became a formal knowledge and the Sufis started working to promote it, the question arose in many minds as to whether or not there is any evidence or basis for Sufism from the Qur'an and Sunnah. The answer to the same question has been sought in this paper.

The article under review discusses some academic terms of the Muslim mystical tradition in the light of the teachings of Qur'an and Hadith.

Key Words: Qur'an, Hadith, Sufism, Sub-Continent, Karamat, Kashf, Ilham.

تعارف:

تصوف حدیث جبریل میں مذکور لفظ "احسان" کے علمی بیان کا نام ہے۔ رسالت مآب علیہ السلام کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے ایک تزکیہ نفوس بھی ہے اور تاریخی مؤثرات کے غلبے کے بعد جب ہدایت شعور سے اپنی نسبتوں کو تشکیل دیتی ہے تو تزکیہ نفس کی سرگرمی تصوف وعرفان میں بطور علم متشکل ہوتی ہے۔ یہ ان مہتم بالشان علوم میں سے ہیں جن کے عملی بیانات واظہارات قرن اول میں پائے جاتے ہیں اور جن کا جوہر نبوی ذمہ داریوں میں متضمن ہے۔

ہر علم کی طرح تصوف بھی تشکیل، تدوین اور تزئین کے مراحل سے گزرا ہے۔ تشکیل بنیادی علمی قضایا کی وضع سے عبارت ہے۔ تدوین تفصیلات سے مکمل ہوتی ہے جبکہ تزئین جزئیات نگاری اور دقت نظری کا مظاہرہ ہوتی ہے۔ دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری

کاوقت تصوف کی تشکیل کاوقت ہے۔ پانچویں صدی ہجری تدوین کا مرحلہ ہے جبکہ بارہویں صدی ہجری تک تزئین کا دور ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری عہد تدوین کی شخصیت ہیں اور آپ کی کتاب "کشف المحجوب" علم تصوف کا شاہکار ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اصطلاح سازی دراصل زبان اور تعقل کے باہمی تعامل سے مستفاد ہے جو ایک مستقل فن کی حثیت رکھتی ہے۔ اصطلاح سازی اپنے فن ہونے میں پارچہ بافی جیسی ہے جس میں اصطلاح ایک پارچے کی طرح زبان اور تعقل کے تانے اور بانے سے بنتی ہے۔ زبان نطق فراہم کرتی ہے جو ابلاغ کا منہاج وضع کرنے کا سنگ بنیاد ہے جبکہ تعقل ان معانی کالحاظ کرتا ہے جو اصطلاح سے شعور کو مطلوب ہوتے ہیں۔

علم تصوف کی تدوین کے وقت یہ علم اصطلاح سازی کے عمل سے گزرا اور کئی لفظ نئے معانی کے حمل کے عمل سے گزرے۔ زیر نظر تحقیق کا مقصد شیخ علی ہجویری کی کتاب "کشف المحجوب" کے پیش نظر بعض اصطلاحات تصوف کا علمی جائزہ لیا جائے۔

کشف

کشف سے مراد پردے کا اٹھ جانا ہے۔ اسی سے مکاشفہ ہے۔ بندہ جیسے جیسے نفس کی کدورتوں، رزائل اور کثافتوں سے پاک ہوتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے قلب کا تصفیہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں مؤمنین اور صالحین کو صفائے قلب نصیب ہوتا ہے اور دل کا آئینہ گناہوں کی گرد وغبار سے اجلا ہو کر حق کی تجلیوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کشف کا لفظ اس معنیٰ میں آیا ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ[1]

"(یہ وہ دن ہے کہ) اس سے تو غافل ہو رہا تھا اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھادیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے"

کشف کی اصطلاحی تعریف

کشف کے لغوی معنی کے بعد اب کشف کی اصطلاحی تعریف پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

شیخ عبد الرزاق کاشانی لکھتے ہیں:

المكاشفة فى العرف العام: عبارة عن كشف النفسِ لما غاب عن الحواس ادراكه[2]

"عرف عام میں مکاشفہ سے مراد نفس کا کشف کے ذریعے ایسی چیزوں کا ادراک کرنا ہے جن تک حواسِ خمسہ کے ذریعے رسائی ممکن نہ ہو۔"

کشف کی اقسام

کشف دو طرح سے ہوتا ہے۔ امام کاشانی اس کی دو اقسام بیان کرتے ہیں۔

1۔ کشف علمیہ / سری

2۔ کشف کونیہ / حسی

---

[1] Qāf: 22.

[2] Al-Kashāni, Ltā'f al -'alām(Beirut:Dar al Ihya' al Turath al 'arbi), 324.

1۔ کشف علمیہ / سری

اگر معانی، لطائف، معارف، اسرار ورموز اور حقائق علمیہ کا کشف ہو تو اسے کشف سری یا کشف علمیہ کہا جاتا ہے۔

2۔ کشف کونیہ

اگر مادی حقائق (Physical Objects) اور دنیا کا مکاشفہ ہو تو یہ کشف کونیہ کہلاتا ہے۔

کشف کے درجات

کشفی احوال میں دوسرا درجہ مشاہدہ ہے:

مکاشفہ اور اس کے بعد اس کا اگلا درجہ مشاہدہ ہے۔ صاحبِ مکاشفہ کا روحانی مقام جب بلند ہوتا ہے تو اس مقام پر مکاشفہ مشاہدہ میں بدل جاتا ہے اور مغالطہ کا امکان نہیں رہتا اسی طرح اصحاب مشاہدہ بغیر خطا کے پس پردہ چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کا درجہ صاحب مکاشفہ سے بلند ہوتا ہے۔ یہ رؤیت کی طرح واضح اور شفاف ہوتا ہے یعنی یہ عین الیقین ہے۔[3]

کشف کا تیسرا درجہ معائنہ ہے

مکاشفہ اور مشاہدہ کے بعد تیسرا بلند ترین درجہ معائنہ کا ہے اس مقام پر اردگرد کوئی خصوصیت اور صفت ایسی نہیں رہ جاتی جس کے تعین میں مغالطہ ہو سکے۔ معائنہ حق الیقین کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

اس لحاظ سے کشف کے مندرجہ ذیل درجات بنتے ہیں۔

مکاشفہ: علم الیقین

مشاہدہ: عین الیقین

معائنہ: حق الیقین[4]

قرآن مجید سے کشف کا اثبات:

حضرت ابراہیمؑ کے لیے عجائبات خلق اور عالمِ ملکوت کا کشف:

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ [5]

"اور ہم اس طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں"

---

[3] Al-Kashāni, Ltā'f al -'alām(Beirut:Dar al Ihya' al Turath al 'arbi), 324.

[4] Al-Kashāni, Ltā'f al -'alām(Beirut:Dar al Ihya' al Turath al 'arbi), 324.

[5] Al-An'am:75

آیت مبارکہ میں نری (رؤیت) کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد مکاشفہ سے اوپر مشاہدہ کا درجہ ہے، یعنی عالمِ مثال کی مثالی شکلیں نہیں دکھائیں جو تعبیر و تاویل کی متقاضی ہوتی ہیں بلکہ سر کی آنکھوں سے جس طرح چیزیں دیکھتے ہیں اور مغالطہ نہیں ہوتا، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو حق تعالیٰ نے عجائباتِ خلق کا مشاہدہ کروادیا۔

واقعہ موسیٰؑ و خضرؑ سے کشف کا استدلال:

حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشع بن نونؑ، حضرت خضرؑ کی تلاش میں نکلے، جب مطلوبہ مقام پر پہنچے تو قرآن مجید کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[6]
>
> "(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا"

اس سفر میں ان دونوں حضرات نے اپنے کھانے کے لیے مچھلی بھون کر ساتھ رکھ لی تھی۔ راستے میں ایک جگہ رکے، دریا کنارے وضو کیا اور آگے روانہ ہوگئے۔ چلتے چلتے حضرت موسیٰؑ نے بھوک محسوس کی تو فرمایا: وہ مچھلی نکالو اور کھانا کھاتے ہیں۔ حضرت یوشع نے عرض کی: اے کلیم! میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا کہ جہاں ہم دریا پر منہ ہاتھ دھونے کے لیے رکے تھے، مچھلی وہاں زندہ ہوکر پانی میں غائب ہوگئی تھی۔ جب حضرت موسیٰؑ نے سنا کہ اس جگہ مچھلی زندہ ہوگئی تھی تو آپ نے فرمایا:

> قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ[7]
>
> "یہی وہ مقام ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: یوشع! ہم اسی جگہ کی تلاش میں تو نکلے تھے اس لیے کہ جہاں مردہ زندہ ہوجائے اللہ کا ولی وہیں موجود ہوتا ہے۔ اللہ کے ولی نے اس ہوا میں سانس لیا، اللہ تعالیٰ نے اس آب و ہوا میں یہ تاثیر پیدا کر دی کہ تنِ مردہ کو زندگی مل گئی اور وہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر پانی کے اندر جا پہنچی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کو یہ روحانی تاثیر عطا کر دیتا ہے کہ اللہ والے نہ صرف خود زندہ ہوتے ہیں بلکہ ان کی صحبت اور توجہ سے مردہ دل بھی جلا یعنی نئی زندگی پاتے ہیں۔

حیات نبوی سے کشف کا اثبات:

قرآن مجید کے بعد نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے کشف کے جابجا واقعات ملتے ہیں۔ جن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے کشف کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[6] Al-Kahf:65

[7] Al-Kahf:64

غزوہ بدر کے واقعات سے کشف کا اثبات

صحابہ کرام غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے میدان میں پہنچے۔ پڑاو ڈالا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے کشف سے جو کچھ دیکھا صحابہ کرامؓ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا

> هذا مصرع فلان قال: ويضع يده على الارض هاهنا و هاهنا قال: فما ماط احدهم عن موضع يد رسول الله ﷺ[8]
>
> "یہ فلاں کافر کے (قتل ہو کر) گرنے کی جگہ ہے۔ آپ ﷺ زمین پر اس جگہ اور کبھی اس جگہ دستِ اقدس رکھتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں: پھر (دوسرے دن) کوئی کافر بھی (قتل ہو کر) رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ سے ذرا برابر ادھر ادھر نہیں گرا۔"

غزوہ موتہ کے احوال سے کشف کا ثبوت

حضور نبی کریم ﷺ نے جگ موتہ کے لیے لشکر روانہ فرمایا۔ ملکِ شام میں میدان جنگ میں گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے اور آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی مقدس سرزمین پر صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے وہاں کے حالات تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں۔

> ان النبیﷺ نعیٰ زیداً و جعفراً وابن روحة رضی الله عنه للناس قبل ان یاتیهم خبرهم، فقال: اخذ الرایة زید، فاصیب ثم اخذ جعفر، فاصیب، ثم اخذ ابن رواحة، فاصیب وعیناه تذرفان حتیٰ اخذ الرایة سیف من سیوف الله حتی فتح الله علیهم[9]
>
> "(جنگ موتہ کے موقع پر) حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کی (مدینہ میں) خبر آنے سے پہلے ہی ان کے شہید ہو جانے کے متعلق لوگوں کو بتا دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اب زید نے جھنڈا سنبھالا ہوا ہے لیکن وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے جھنڈا سنبھال لیا ہے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا ہے اور وہ بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک اشک بار تھیں۔ (پھر آپ نے فرمایا) یہاں تک کہ اب اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (یعنی خالد بن ولیدؓ) نے جھنڈا سنبھال لیا ہے حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر فتح عطا فرمائی ہے۔"

آپ ﷺ مدینہ منورہ میں موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ کو ملک شام میں موتہ کے مقام پر ہونے والی اس جنگ کی لمحہ بہ لمحہ کی صورت حال سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ یہ واقعہ چونکہ نبی کریم ﷺ سے صادر ہو رہا ہے، لہٰذا یہ معجزہ تو ہے مگر یہ واقعہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے کشف ہے۔

---

[8] Muslim,Al-Saḥiḥ,Kitab al Jihad wa Assiiyar, Bāb Ghazwa Badr,(Beirut: Dar-e-Ibn-Kathir),Hadith:1779

[9] Bukhāri, Al-Saḥiḥ, Kitāb al Maghāzi, Bāb Ghazwah Mutah, (Riyadh:Maktaba Al Kauthar), Hadith: 4014

نماز پنجگانہ میں احوال کشف

حضور نبی اکرم ﷺ کی پنج گانہ نماز میں بھی کشف کے احوال رونما ہوتے تھے۔

1۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دورانِ نماز صف میں کھڑے ہوتے تو مقتدی صحابہ کرامؓ کو فرماتے:

> اَتموا الرکوع والسجود فوالذی نفسی بیدہٖ انی لاراکم من بعدِ ظھری اذا ما رکعتم واذا ما سجدتم[10]
>
> "رکوع اور سجود پوری طرح ادا کیا کرو، کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! بے شک میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں جب کہ تم رکوع کر رہے ہوتے ہو یا سجدہ کر رہے ہوتے ہو"

صحابہ کرام اور اولیاء کے مکاشفات:

انبیاء کرام کے معجزات اور حضور نبی کریم ﷺ کے مکاشفات کے ذکر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اولیاء عظام کے علم بالکشف کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ مکاشفات کی یہ کیفیات بطور خیرات حضور ﷺ کے امتیوں کو بھی حاصل ہوئی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کشف

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غابہ نامی وادی میں انھیں کھجور کے چند درخت ہبہ کیے تھے، جن کی آمدن بیس وسق کھجوریں تھیں۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی، اللہ کی قسم! تمام لوگوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کا اپنے بعد غنی ہونا مجھے تمہارے غنی ہونے سے زیادہ پسند ہو اور اپنے بعد مجھے کسی کی مفلسی بھی تمہارے مفلس ہونے سے زیادہ گراں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں کھجور کے کچھ درخت دیئے تھے جن سے بطور آمدن بیس وسق کھجوریں آتی تھیں۔ اگر تم نے ان پر قبضہ کیا ہوتا تو اس وقت وہ تمہارے ہو جاتے۔ لیکن اب وہ میراث کا مال ہے اور تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ لہٰذا تم اس مال کو اللہ کی کتاب کے حکم کے مطابق تقسیم کر لینا۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: ابا جان! مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہوتا میں چھوڑ دیتی، لیکن میری بہن تو صرف حضرت اسماء ہیں، دوسری کون ہے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

> ذو بطن بنت خارجة، اراها جارية[11]
>
> "وہ (میری زوجہ) بنت خارجہ کے پیٹ میں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لڑکی ہے"

سیدنا صدیق اکبرؓ کا کشف ہے کہ جس سے آپ نے معلوم کر لیا کہ پیدا ہونے والی بیٹی ہو گی۔

---

[10] Bukhāri, Al-Saḥiḥ, Kitāb al Imān, (Riyadh: Maktaba al Kauthar), Hadith No. 6268.

[11] Imām Mālik, Al Muwatā, Kitab al Aqdiyā, (Beirut: Dar al Kutub al ‘Ilmiyā), Hadith No. 1438.

حضرت عمر فاروقؓ کا کشف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سپہ سالار "ساریہ" نامی شخص کو مقرر کیا۔ اس دوران ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ دوران خطبہ ہی آپ رضی اللہ عنہ بلند آواز میں پکارنے لگے:

یا ساری الجبل ، یا ساری الجبل[12]

"اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لو اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو"

آپ نے دوران خطبہ یہ جملہ دو تین مرتبہ ارشاد فرمایا اور اس کے بعد اپنا خطبہ جاری رکھا۔ وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو گمان ہوا کہ شاید حضرت عمر پر دوران خطبہ جوش و جنون کی کیفیت طاری ہو گئی تھی جس میں انھوں نے ساریہ کو بلند آواز میں پکارا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس حاضر ہوئے اور تمام ماجرا دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

انی واللہ، ما ملکت ذالک رأیتھم یقاتلوں عند جبل یؤتون من بین ایدیھم ومن خلفھم فلم املک ان قلت: یا ساریة الجبل، لیلحقوا بالجبل[13]

"اللہ کی قسم! یقیناً میں انھیں پہاڑ کے پاس لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا، ان پر آگے پیچھے سے حملہ کیا جا رہا تھا تو میں نے بے اختیار ہو کر پکارا: اے ساریہ! پہاڑ (کی اوٹ لو) تاکہ وہ پہاڑ کی اوٹ لے (کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں)"

کچھ دنوں کے بعد حضرت ساریہؓ کا قاصد خط لے کر حاضر ہوا اور اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ جمعہ کے روز جب سورج چمک رہا تھا تو ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو۔ پھر ہم پہاڑ کی اوٹ لے کر دشمن پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے سرفراز فرمایا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا کشف

ابو عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: آپ امام اوزاعی کو لکھیں کہ وہ مجھے حدیث روایت کریں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے بذریعہ کشف دیکھ لیا کہ امام اوزاعی کے وصال کا وقت قریب آ چکا ہے اور اس شخص کی ان سے ملاقات نہ ہو پائے گی۔ آپ نے اس لیے اسے جواب دیا۔

اما انی اکتب لک الیه ولا اراک تجده الا میتاً، لاننی رایت ریحانة رفعت من قبل المغرب ولا اراه الا لموت الاوزاعی فاتاه فاذا هو قد مات[14]

"میں انہیں تمہارے لیے لکھ دیتا ہوں، لیکن میرا نہیں خیال کہ تم انہیں زندہ پا لوگے، کیونکہ میں نے ایک گلدستہ دیکھا جو مغرب کی طرف سے اٹھا لیا گیا ہے: میرے خیال میں یہ اوزاعی کی موت کی طرف اشارہ ہے، پھر وہ شخص امام اوزاعی کے پاس آیا تو آپ وفات پا چکے تھے۔"

---

[12] Aḥmad bin Ḥanbal, Fdāi'l e Saḥāba, (Beirut: Mu'sasa ar Risāla), Hadith No.355.

[13] Abu Nu'īm, Dlā'il an Nubuwa, (Madina: Maktaba al Dār), Hadith No.528.

[14] 'Ajalī, M'arifat al Thiqat, Hadith No.1063.

کشف پر آئمہ و محدثین کا عقیدہ

ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ میں کسی بھی مکتبہ فکر کے عالم نے کشف سے انکار نہیں کیا۔ یہ حقیقت اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کشف پر مختلف آئمہ واکرام کی آراء پیش خدمت ہیں۔

امام ابو القاسم القشیریؒ فرماتے ہیں۔

> "اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم لدنی (کشف) وہ علم ہے جس کے لیے انسان ظاہری طریقوں سے علم حاصل کرنے کی سعی مشقت اور تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہ علم بطریق الہام حاصل ہوتا ہے۔"[15]

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> "اولیاء اللہ کی کرامات کی تصدیق کرنا اہل سنت کے بنیادی اور اصولی عقائد کا حصہ ہے۔[16]

مندرجہ بالا مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم لدنی وہ علم ہے جس کے لیے انسان کو ظاہری طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تکلیف اور مشقت نہیں کرنی پڑتی اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے حجابات ہٹا دیتا ہے۔ لیکن بلا شبہ اس کے لیے تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، لدنی اور نفسانی کثافتوں کو ختم کرنے کے لیے ریاضت و مجاہدہ کا ایک مسلسل عمل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں یہ حجابات اٹھتے ہیں۔

کرامت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

کرامت کرم یکرم کرماً و کرامہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دلی خوشی، عزتِ نفس ہے۔ یہ اللوٴم کا متضاد ہے۔[17]

اس کے علاوہ کرامت کے معنی عظمت، بزرگی، تعجب انگیز بات خوبی، عمدگی کے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

کرامت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> "الكرامة امر خارق للعادة يجربه الله تعالىٰ علىٰ يد ولى تائيداله أو اعانة أمر تثبيتاً أو نصراً للدين"[18]

> "کرامت ایک خلافت عادت امر ہے جس کا ظہور اللہ تعالیٰ ولی کے ہاتھوں کرتا ہے اس سے مقصد اس کی تائید یا دین کی تائید کرنا ہوتا ہے۔"

جس کرامت کا اظہار نصرت اسلام کے لیے ہوتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ حضرت سعد ابن وقاصؓ کے ساتھ جو دریا عبور کرنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

کرامت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت شاہ محمد مسیح اللہ لکھتے ہیں:

---

[15] Qushayrī, Ltā'if al Isharat, (Cairo: Al Hindiya al Misriya), 407/2.

[16] Ibn Tamiyā, Al 'Aqīdah al Wāstiyah, (Riyadh: Al Rāsah Itisāmuh Līdarat al Buhuth al wal Iftā), 46.

[17] Mu'al Wasīt, (Al Dawla: Maktbah Shurūq), 786.

[18] Ibn Tamiya, Al 'Aqīdah al Wāstiyah, (Muzafargarh: Al Furqan Trust), 311.

"کرامت یہ ہے کہ جو کسی نبی کے متبع کامل سے خلافِ عادت الٰہی کوئی بات صادر ہو"۔ [19]

اس تعریف سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کا کسی نبی کا متبع ہونا ضروری ہے ورنہ جوگیوں اور ساحروں، جادوگروں سے بھی ایسے امور سرہو جاتے ہیں جو خلاف عادت ہوتے ہیں۔

قرآن وسنت سے کرامات کا ثبوت

قرآن سے دلیل

قرآن وسنت سے بھی کرامات کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مریمؑ کا واقعہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کو قرآن ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

> فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا[20]
>
> "سو اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ تو غمگین مت ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر پیدا فرمادی ہے اور تو کھجور کے تنے کو اپنی جانب حرکت دے جس سے تجھ پر پکی تیار کھجوریں گریں گی"

سنت سے کرامت کی دلیل

نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کے بعد خلفاء واولیاء ہوں گے جو دین کے تبلیغ کے فریضے کو انجام دیں گے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء وخلفاءِ اسلام کو کرامت عطا کر کے دینِ اسلام کی اعانت نہ فرمائے گا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔

> "وانه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون، قالوا: فما تامرنا، قال:فوابیعة الاول فالاول اعطوهم حقهم فان الله سائلهم عما استرعاهم"[21]
>
> "یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ہاں میرے نائب ہوں گے اور بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ ان کے متعلق آپ کا ہمیں کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس سے بیعت کر لو اس کی وفاداری پر قائم رہو اور ان کا جو حق ہے اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن ان کی رعایا کے بارے میں سوال کرے گا"

کرامت کے مقاصد

کرامت کے مندرجہ ذیل چار مقاصد امام ابن تیمیہؒ نے بیان فرمائے ہیں۔

---

[19] Shāh Muḥammad Masiḥullah, Shariyat o Tasawuf (Idāra Tālifāt-e-Asharfiya, 1983 AD), 331.

[20] Maryam: 24-25.

[21] Imām Bukhārī, Saḥīḥ al Bukharī, Kitāb Aḥadīs al ambiyā’ (Damascus: Dar ibn Kathīr, 2002), Hadīth No. 4355.

اولاً: کرامات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہوتا ہے کہ خارق عادت چیز کا حصول اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔

ثانیاً: کرامات سے یہ عقیدہ رکھنے والوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ جو کہتے ہیں یہ جملہ امور طبعی اور جبلی طور پر سر انجام پاتے ہیں۔ اس لیے یہ اگر طبیعت اور جبلت ہی سب کچھ کرتی ہوتی تو جبلت کا تو ایک ہی انداز ہوتا ہے اس میں تغیر نہیں آیا کرتا۔ جب کہ طبیعت اور عادت واطوار میں فرق آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ومدبر بھی ہے۔

ثالثاً: کرامت متبوع نبی کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔ یعنی ولی کسی نبی کا ماننے والا ہوگا یہ اس کی ولایت اور اس کی کرامت کی صداقت کی دلیل ہے۔ بغیر کسی نبی کی اطاعت کے نہ کوئی ولی، ولی ہے اور نہ اس کی کرامت، کرامت ہے۔ تو جب نبی کے متبع پر کرامت کا ظہور ہوگا تو یہ چیز اس کے دین کی حقانیت اور اس کے نبی کی صداقت پر منتج ہوگی۔

رابعاً: اس میں ولی کی کرامت وعزت اور تثبیت کا ثبوت ہوتا ہے۔[22]

کرامت کے ظہور کا سلسلہ

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"وهی موجودة فيها الى يوم القيامة"[23]

"اور یہ قیامت تک جاری رہیں گی"

کرامات اولیاء کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کی عقلی دلیل ہے کہ کرامت کا سبب ولایت ہے۔ اور چونکہ ولایت قیامت تک جاری رہے گی لہٰذا کرامات بھی قیامت کے قائم ہونے تک جاری رہیں گی۔ اس بات کی دلیل سمعی بھی ہے اور وہ آپ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے خلفاء کا سلسلہ قیامت تک قائم رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔

الہام :

الہام کے لغوی معنی "غیب سے کسی بات یا خیال کا نزول یا ورود" کشف اور القاء کے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم:

صوفیاء عارفین کی اصطلاح میں کسی خبر اور اچھی بات کا بلا نظر وفکر اور بلا کسی سبب ظاہری کے من جانب اللہ قلب میں القاء ہونے کا نام الہام ہے۔

جو علم بطریقِ حواس حاصل ہو وہ "ادراک حسی" ہے اور جو علم بغیر طور حس اور طور عقل من جانب اللہ بلا کسی سبب دل میں ڈالا جائے وہ "الہام" ہے۔

---

[22] Ibn Tamiya, Al ʻAqīdah al Wāstiyah, (Muzafargarh: Al Furqan Trust), 311.

[23] Ibn Tamiya, Al ʻAqīdah al Wāstiyah, (Muzafargarh: Al Furqan Trust), 516.

الہام پر قرآنی دلائل:

دین اسلام میں وحی انبیاء کے علاوہ غیر انبیاء کے لیے الہام ایسا ذریعہ علم ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی صریح آیات موجود ہیں۔

سورۃ قصص میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف کیے گئے الہام کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَاۗدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ [24]

"اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا ہم اس کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے"

حضرت موسیٰ کی والدہ نبی نہیں بلکہ اللہ کی ولی تھیں۔ کیونکہ خیالات تو بہت سارے ہمارے دل میں بھی آتے ہیں۔ لیکن صرف دل میں خیال آنے پر کوئی ہوش مند آدمی اپنا بچہ صندوق میں ڈال کر دریا برد نہیں کرآتا۔ لہٰذا یہ محض خیال نہیں۔ بلکہ بذریعہ الہام حضرت موسیٰ کی والدہ کو اتنی استقامت، یقین اور معرفت نصیب ہوئی جس کی بدولت آپ نے اپنے بیٹے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا۔

الہام پر احادیث سے دلائل

نبی کریم کے ارشادات سے بھی الہام کے ثبوت پر دلائل ملتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لقد کان فیما قبلکم من الامم ناس محدثون فان یک فی امتی احد فانه عمر[25]

"تم سے پہلی امتوں میں سے ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا تھا، میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہے"

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونو1 انبیاء، فان یکن من امتی منهم احد فعمر[26]

"تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر ان جیسا میری امت کے اندر کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔"

---

[24] Al Qasas: 7.

[25] Imām Bukhārī, Saḥīḥ al Bukharī, Kitāb Aḥadīs al ambiyā’, Hadīth No. 4355.

[26] Imām Bukhārī, Saḥīḥ al Bukharī, Kitāb Fdail al Saḥaba, Hadith No. 1255.

الہام آئمہ کی نظر میں

متقدمین علماء اور آئمہ نے بھی الہام پر اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔

امام بدر الدین زرکشی لکھتے ہیں:

وقد اختار جماعة من المتاخرین اعتماد الالهام[27]

"متاخرین کی کثیر جماعت نے الہام پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔"

امام ابن الصلاح الہام پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما الالهام فهو خاطر حق من الحق تعالیٰ[28]

"الہام سچائی کا الہام ہے جو کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے ہوتا ہے۔"

مذکورہ عبارات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ الہام کے حجت ہونے اس کے درست ہونے اور اس کے صحیح ہونے پر جماعت کا عقیدہ ہے۔ علماء و آئمہ نے اس پر اعتبار کیا ہے۔

الہام کے لیے تقویٰ شرط ہے

علامہ شوکانی امام ابو علی التیمی کی "التذکرہ فی اصول الدین" کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [29]

" مومنو! اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دیگا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور خدا بڑے فضل والا ہے۔"

یعنی الہام کے طریق پر ایسے علم کے حصول کے لیے تقویٰ شرطِ اول ہے۔ الہام ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا مورد نفس ہے اور یہ ایک القا ہے۔[30]

یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ صاحبِ تقویٰ کا الہام صحیح ہو گا۔ اس لیے کہ ایک فاسق یا کافر کو بھی ایسا محسوس ہو سکتا ہے۔ یہ نفس کا تزکیہ اور نفس کی ریاضت ہے۔

الہام کا ماخذ

الہام کا ماخذ و منبع اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ جو اپنے نیک بندوں اور اپنی مخلوقات پر القاء فرمانے کی قدرت رکھتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[27] Zarkasī, Badr ud Din, Al Bahr al Muḥīt fi Usūl al fiqh, (Maktaba al Sunah), 400/4.

[28] Ibn al Salāh, Fatawah, (Beirut: Dar al Ma'rifa), 196.

[29] Al Anfal: 29.

[30] Al Shaukanī, Irshad al Fuḥūl, (Egypt: Idarā al Tibā' al Munīriya), 415/1.

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ[31]

" اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا۔"

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ آیات مذکورہ میں "اوحیٰ" سے وحی نبوت مراد نہیں۔ بلکہ یہ لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جس میں الہام کے معنیٰ کی طرف اشارہ ہے۔"[32]

الہام کا حکم شرعی:

انبیاء کرام کے الہام پر اور اس کی حجت پر تو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ کا تو خواب بھی حجیت قطعیہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے محض خواب کی بناء پر بیٹے کو ذبح کا ارادہ فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صراحاً اور اس کی مدح فرمائی۔ البتہ اولیاء اللہ کے الہام پر کلام ہے۔ اولیاء کے الہام کا حکم یہ ہے کہ اگر کتاب اللہ اور سنت وشریعت کے خلاف نہ ہو اس پر عمل جائز ہے۔ اور جو الہام قرآن وشریعت کے خلاف ہو وہ الہام الٰہی نہیں بلکہ شیطانی ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"ابو سلیمان درانی یہ فرمایا کرتے تھے کہ الہام پر اس وقت تک عمل نہ کرو جب تک آثار سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔"[33]

شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں:

"الہام وکشف پر عمل کرنا جائز ہے۔ جب کہ وہ قرآن وحدیث، اجماع اور قیاس صحیح کے مخالف نہ ہو۔"[34]

مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر برحق ہے۔ بندے خواہ نبی ہوں یا غیر نبی ہوں حتیٰ کہ اپنی مخلوقات غیر انسانی کی طرف بھی اللہ تعالیٰ الہام فرماتا ہے۔ البتہ الہام کی شرط تقویٰ ہے۔ ورنہ الہام شیطانی بھی ہے شیطان اور غیر مرئی مخلوقات کی طرف سے وسواس اور القاء بھی ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے نیک اور اہل تقویٰ شیطانی وسواس کے نرغے میں نہیں آتے۔ الہام پر عمل کرنا بالاجماع جائز ہے اگر الہام غیر نبی یا اولیاء کا ہو۔ جب کہ نبی کا الہام قطعی دلیل ہے۔ غیر نبی کا الہام سے احکام ثابت نہیں ہوتے حتیٰ کہ استحباب بھی غیر نبی کے الہام سے ثابت نہیں ہوتے ہیں۔

---

[31] Al Naḥl : 68.

[32] Al Shaukānī, Irshad al Fuḥūl, (Egypt: Idarā al Tibā'al Munīriya), 415/1.

[33] Imām Ghazālī, Ihyā' ul 'Ulūm, (Karachi: Maktaba al Madina), 139.

[34] Shaykh 'Abdul Qādir Jilānī, Futuh al Ghayb, (Lahore: Zawiya Publications), 81.

وجدان:

وجدان کے لغوی معنی، یقین، اعتماد، تیقن بھروسا، ایقان، آگہی، اداک اور حالتِ جذب کے ہیں۔

یعنی جاننے اور دریافت کرنے کی قوت جو کہ فطری طور پر ودیعت ہوتی ہے وجدان کہلاتی ہے۔ یا وہ قوت یا چھٹی حس جو غیبی حقائق کے ادراک کا ذریعہ ہوتی ہے وجدان ہے۔

حواس خمسہ یا عقل کی مدد کے بغیر کسی چیز کے دیکھ یا جان لینے کی صلاحیت کا نام بھی وجدان ہے۔ اپنی حالت یا کیفیت کا وہی ادراک جو بغیر کسی واسطے کے ہوتا ہے یا ایک قسم کی اندرونی بصیرت جس میں حقیقت بلا کسی تحلیل و تجزیے کے پیش کی جاتی ہے اسے بھی وجدان کہتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم

وجدان کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر نفیس اقبال لکھتے ہیں:

> "وجدان قلبی لذت یعنی سالک کا ذاتِ حق سبحانہ کو ہر ذرہ میں مشاہدہ کرنا اور اس میں محو ہونا اور اس سے لذت وذوق لیناہے۔"[35]

وجدان دراصل ہمارا شعور باطنی ہے۔ جسے حواس خمسہ ظاہری تھے ویسے ہی شعور باطنی ہے۔ یہ شعور باطنی ایک احساس ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے بدیہی طور پر بندوں میں رکھ دیا ہے۔ جس سے وہ حسیات کے دائرے میں نہ آنے والی کچھ چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی مثال خوف ہے۔ خوف کی کیفیت کو حواس ظاہری کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ پانچوں حواس سے خوف کا پتہ نہیں چلتا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ [36]
>
> "اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنادو"

آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خوف بھی اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔

اسی طرح رنج والم کا احساس، اذیت و کرب کے جذبات، محبت و الفت کی کیفیت، ہمیں یہ تمام کیفیات کا احساس ایک شعور باطنی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے تحقیق، غور وحوض اور مطالعہ نہیں چاہیے بلکہ یہ آپ ہی آپ انسان پر طاری ہو کر اسے اپنا احساس دلاتی ہیں اور یہی وجدان ہے۔

---

[35] Dr. Nafīs Iqbāl , Chand Sufiyanah Istilāḥāt, 177.

[36] Al Baqrah: 155.

مراقبہ:

مراقبہ عربی لفظ رقیب سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بنیادی طور پر دیکھنے توجہ دینے وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور اسی سے اردو میں راقب اور رقیب کے الفاظ بھی ماخوذ کیے جاتے ہیں۔ مراقبہ کا لفظ اس کی اصل کلمہ کے اعتبار سے اپنے ذہن کی گہرائیوں میں دیکھنے یا اپنی عقل کو دیکھنے کے قابل بنانے کے معنوں میں لیا جاسکتا ہے۔

مراقبہ کے لیے انگریزی زبان کا لفظ Meditation استعمال ہے۔ Meditation کی تعریف Oxford Dictionary میں یوں کی گئی ہے:

> "Focus one's mind for a period of time, in silence or with the aid of chanting, for religious or spiritual purposes or as a method of relaxation." [37]

اگر لفظ Meditation کو لفظ مراقبہ کے متبادل اور ہم پلہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر مراقبہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہیں:

> مراقبہ ایک ایسی عقلی تادیب کا نام ہے جس میں کوئی شخصیت ماحول کے روابط حیات سے ماوراء ہو کر افکارِ عمیق کی حالت میں چلی جائے اور اندیشہ ہائے دوئی سے الگ ہو کر سکون وفہم کی جستجو کرلے۔ یعنی فکر آلودہ سے دور ہر کر فکرِ خالص کا حصول مراقبہ ہے۔

اس Meditation کو تاریخ اسلام کے پس منظر اور حضور ﷺ کی حیات اقدس کے آئینے میں دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کا غارِ حرا میں جا کر غور وفکر کرنا اور دنیاوی معاملات سے ہٹ کر وقت نکال کر عیادت میں مشغول رہنا مراقبے کے زمرے میں آتا ہے۔

اس کے علاوہ مراقبہ کے لغوی معنی سوچنا، غور کرنا اور گردن جھکا کر فکر کرنا کے ہیں۔

"مصباح التعریف" میں مراقبہ کے معنیٰ استغراق، گیان، دھیان، تصور، سوچ بچار کے بیان کیے گئے ہیں۔ [38]

اصطلاحی مفہوم

تصوف وسلوک کی اصطلاح میں دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھنا اور قلب کو حضوریٔ حق میں ایسا رکھنا کہ خطرات دوئی اور خودی نہ آنے پائیں، گردن جھکا کر غور وفکر کرنا اللہ کے ماسوا کو چھوڑ کر محض اللہ کی طرف دل لگانا کو مراقبہ کہتے ہیں۔

خالد محمود "آثار الاحسان" میں مراقبہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

---

[37] The Oxford English Dictionary(Oxford: Clarehdon Press, Second Edition)Vol.5, P.359

[38] Muḥammad ʻAlī Hayder, Misbāḥ al T'aruf, (India: Dār Matba' Sarkārī Riyāsat Rām Pūr, 1921 AD), 25.

> "جب سالک اپنے آپ کو گرد و پیش کی تمام چیزوں اور لوگوں سے فارغ کر لے ان سے دھیان ہٹا کر کچھ وقت کے لیے گردن جھکالے تو اس گردن جھکانے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ جب سالک اپنے خیال کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر خدا کی طرف لگا دے کہ میں اب اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کیے ہوئے ہوں تو ۔۔۔ یہ مراقبہ ہے۔"[39]

سید محمد ذوقی کے مطابق:

> "مراقبہ دل کی ماسویٰ سے نگہبانی، دل میں مقصود کے تصور کی محافظت کرنا اور بندہ کا اپنے علم کو بغرض فیضان علم قدسی حق تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا ہے۔"[40]

مندرجہ بالا تعریفات سے ثابت ہوتا ہے کہ مراقبہ حضوریٔ قلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب دل سے حاضر ہونا کہ اس وقت کوئی خطرہ نہ آئے اگر آئے تو اسے دفع کیا جایا۔۔۔۔ شروع میں سالکین ایسا کرتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے سر جھکا لیتے ہیں۔ جب خوب مشق ہو جاتی ہے اور چشم بصیرت و بصر ایک ہو جاتی ہے۔ پھر آنکھ بند کرنے اور سر جھکانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

ادیان کی متصوفانہ روایتوں میں مراقبے کا بیان:

مراقبہ کی اصطلاح اپنے اصل کے اعتبار سے "اسلام" سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اس لیے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عبادت میں خشوع و خضوع پر زور دیتا ہے اور مراقبہ خشوع و خضوع کی ہی ایک کیفیت ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی عبادات میں خصوصاً اذکار و نماز مراقبے کی ہی شکلیں ہیں۔ لیکن مراقبہ اپنے وسیع تر مفہوم میں دیگر مذاہب میں بھی رائج ہے۔ جیسے بدھ مت اور ہندو مت وغیرہ میں اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان مذاہب میں اس کے لیے مختلف الفاظ مستعمل ہیں۔ جیسے کہ ہندو مت میں "یوگا" مراقبے کی ہی ایک شکل ہے۔

مراقبے کی اقسام:

مراقبے کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں جو خواجہ شاہ عبد الصمد نے بیان کی ہیں۔

1۔ **مراقبہ ناظرہ:** وہ یہ ہے کہ سالک یقین کرے کہ حق سبحانہ میری صورت پر ظاہر ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے افعال کا میں آلہ ہوں۔ مخلوق پر فیضان الٰہی کا وسیلہ بھی سالک ہوتا ہے۔ یہی لوگ سندِ ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ یہ قرب فرائض ہے جو فنا ذات عبد کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

2۔ **مراقبہ حضوری:** سالک یقین کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہوں، اسی کے کان سے سنتا ہوں۔ اسی کے پیر سے چلتا ہوں۔ یہ قرب نوافل ہے۔

3۔ **مراقبہ جمع:** سالک ذرہ ذرہ میں حق سبحانہ کا مشاہدہ کرے۔

---

[39] Khālid Mahmūd, Asar al Ihsān, 271.

[40] Sayid Muḥammad Zauqī, Sir-i-Dilbara(Karachi: Mahfil-e-Zauqiyah, 1986 AD), 362.

4۔ مراقبہ جمع الجمع:

یعنی خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھے اور حق کو حق میں۔ خلق کو خلق میں مشاہدہ کرے یعنی سالک حق اور خلق کو ایک دیکھے، ایک جانے، کسی قسم کی دوئی اور نسبت غیریت باقی نہ رہے۔[41]

مراقبہ پر علمی مباحث سے آشکار ہوتا ہے کہ مراقبہ اپنی خودی یا ذات میں گہرائی کی طرف ایک سفر ہے۔ جس میں انسان اپنے اندر (باطن) میں اپنا اصلی گھر تلاش کر سکتا ہے۔ مراقبہ کے عمل کے ذریعے انسان اپنے مادی وجود اور اپنی روح کے تعلق پر نظر کرتا ہے دونوں کے ثبات و عدم پر غور کرتا ہے۔ اس کائنات میں اپنی حیثیت کائنات کی تخلیق، اپنی تخلیق کا جواز ڈھونڈتا ہوا اس سب کے خالق تک جا پہنچتا ہے۔ خالق ومالک سے اپنی ذات کا کیا تعلق ہے۔ بندے اور میں کیا رشتہ ہے اس سب کی تلاش وفہم کے لیے مراقبہ کو تصوف میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

بقول شاعر

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مشاہدہ:

مشاہدہ کے لغوی معنی، عینی تجربہ، دلیل بصری، عینی ثبوت، دید، نظارہ، درشن کے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی دریافت کے لیے کسی چیز کو بغور دیکھنا، معائنہ، غور وحوض اور تجربہ وغیرہ بھی مشاہدہ کے لیے مستعمل مفاہیم ہیں۔

اصطلاحی مفہوم:

اہل تصوف کی اصطلاح میں تجلیات حق کو حجاب کے بغیر دیکھنا مشاہدہ کہلاتا ہے۔ یعنی اسماء وصفات کی جہت سے حق کا مشاہدہ کرنا، تصوف میں مشاہدہ کا مطلب دل کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔

سالک پر مبہم دریافت کی بدولت ایسا حال طاری ہوتا ہے جس میں وہ چشم باطن کی رو سے نورِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں۔

"بنظرِ یقین غیب بینی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔"[42]

مشاہدہ کے درجات:

1۔ مجاہدہ ریاضت سے دل میں نور وبصیرت پیدا ہو کر اس بات کا مشاہدہ کرائے کہ فاعل حقیقی ایک ہی ذات ہے۔

2۔ اس بات کا مشاہدہ کہ تمام موجوداتِ عالم ذاتِ حق اور اس کے صفات وافعال کے نور میں گم ہیں۔

---

[41] Khawaja Shāh Abdassamad, Istilāhāt-e-Tasawuf, (Delhi: Dili Printing Works, 1929 AD), 157-158.

[42] Shaykh Abu Tālib Makī, Qutūl Qulūb, (A.N. Printers, 2001 AD), 112.

3۔ مشاہدہ کرنے والا خود کو مع تمام موجودات کے فنا ہوتا ہوا دیکھتا ہے۔ تصوف میں فنافی التوحید ہونا اسی کو کہتے ہیں۔ مشاہدے میں جذب و فنا کی آخری منزل ہے۔ انوار صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ نور اپنی تعریف آپ کرواتا ہے۔[43]

مشاہدہ کی ذوقی کیفیت:

مشاہدہ کی ذوقی کیفیت کی مختلف الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سکر، وجد و فنا وغیرہ۔ جب نور حق بے حجاب مشاہدہ میں آتا ہے تو اس وقت عقل و فہم سے ماورا ہو کر مشاہدہ کرنے والا حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت کے بارے میں شیخ یحییٰ منیری فرماتے ہیں:

> "بے رنگی، بے کیفی، بے جسدی، بے مثلی اور بے ضدی ظاہر ہو گی۔ اس مقام میں نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ یمین ہے نہ یسار، نہ بلندی ہے نہ پستی، نہ مکان ہے نہ زمان ہے، نہ قرب ہے نہ بعد ہے، نہ دن ہے نہ رات، اس مقام میں عرش ہے نہ فرش، دنیا ہے نہ آخرت۔ اس مقام کا کیا بیان ہو۔ قلم ٹوٹ گیا، زبان حرکت میں نہ رہی۔ عقل چاہِ عدم میں غرق ہو گئی اور علم و فہم صحرائے حیرت میں گم ہو گئے۔"[44]

مشاہدہ کے حق میں جب بندہ اپنے احساس و شعور اور علم و آگہی سے جاتا رہا اور اسے فنائے کلی حاصل ہو گیا تو وہ صفاتِ الٰہی کے رنگ میں رنگ گیا اور اسے بقاء بالحق حاصل ہو گیا۔ کیونکہ عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد مشاہدۂ ذات نصیب ہوتا ہے۔ عقل جزوی کی نظر مشاہدہ سے بے خبر ہے لیکن عشق الٰہی نصیب ہونے کے بعد جزوی عقل زائل ہو جاتی ہے اور عقل کل نصیب ہو جاتی ہے اور مشاہدہ بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ عشاق الٰہی کے دلوں سے وہم غیریت کے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ عارفین باللہ کے لیے دنیا و آخرت یکساں ہو جاتی ہے۔ دنیا میں دیدار الٰہی سر کی آنکھوں سے ناممکن ہے البتہ دل کی آنکھ سے جائز ہے۔ عارف اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ دل کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک عین الصغریٰ، دوسری عین الکبریٰ۔ عین الصغریٰ سے عارف اشیاء کو دیکھتا ہے اور عین الکبریٰ سے عارف اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔[45]

جس عارف کی معرفت تام ہو جائے اور وہ علم الیقین کے مرتبہ سے ترقی کر کے عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہو گا وہ عارف جن امور کا علم قرآن مجید اور حدیث شریف سے حاصل کرتا ہے وہ ان امور کی ظاہری صورتوں اور ان کے حقائق و اسرار کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ یہی مشاہدہ فی التصوف ہے۔

قرآن کریم کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے:

> قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ [46]

---

[43] Dr. Nafīs Iqbāl , Chand Sufiyanah Istilāḥāt, 167-168.

[44] Shaykh Yahya Munyarī, Tasawuf Aik Tajziyātī Mutala ʻh, (Lahore: Sang-e-Mīl Publications), 120.

[45] Sufī ʻAta Muḥammad Qādrī, Israr al Qādim, (Lahore: Islam Book Foundation, 2011 AD), 420.

[46] Al-e- ʻImran: 13.

> "تمہارے لیے دو گروہوں میں (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (قدرت خدا کی عظیم الشان) نشانی تھی، ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) ان کو اپنی آنکھوں سے دگنا مشاہدہ کر رہا تھا اور خدا اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے، جو اہل بصارت ہیں ان کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے"

اللہ کی قدرت دیکھیے کہ جو لوگ ابھی کافر تھے مگر اللہ کے ہاں ان کا مسلمان ہونا مقدر ہو چکا تھا وہ اس دن کفار کی صفوں میں صحابہ کو دکھائے نہ گئے اب مسلمان انہیں اپنے سے تگنا نہیں اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے یہ آنے والا زمانہ صحابہ پر اس طرح پلٹایا تھا کہ وہ اب انہیں کفار کی صفوں میں نہ دکھائے گئے تھے، یہ ایک آنے والا دور سے پردہ اٹھنا تھا اور یہ انہی سے اٹھا جو مقام مشاہدہ میں آ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدہ کے بعد اپنے بندوں کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔

> وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭوَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [47]
>
> "اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھادیں گے اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے"

صحابہ نے اپنی زندگیوں میں مقام مشاہدہ کے دلآویز جلوے دیکھے اور ان کی قوی روحانیت تین زمانوں تک انسانوں پر چھائی رہی۔

حاصل بحث:

تصوف کی ضرورت و اہمیت اور اس سے متعلقہ اصطلاحات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام اور تصوف ایک دوسرے سے الگ یا لا تعلق نہیں بلکہ تصوف اسلامی تعلیمات کا ہی ایک جزو ہے۔ ہاں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں تصوف عملی طور پر ہو تو موجود تھا لیکن علمی طور پر متشکل ہوا تھا۔ چونکہ کسی بھی علم کو پختگی اختیار کرنے تک کئی مراحل و مدارج سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف تشکیل، تدوین، اور تزئین جیسے مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا اس حالت تک پہنچا کہ ہم اس کی عملی اور علمی دونوں صورتوں کو پہچاننے لگے۔ اسی طرح تصوف کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں کو خاص نام دے دیے گئے جیسے کشف، کرامت، الہام وجدان، مراقبہ و مشاہدہ وغیرہ۔ لیکن ان تمام کا عملی مظاہرہ رسالت مآب علیہ السلام کے عہد مبارک میں بھی ہوا۔

غزوہ بدر میں رسالت مآب علیہ السلام نے اپنے مکاشفات کے ذریعے لڑائی سے ایک روز قبل کافروں کے نام لے کر ان کے قتل ہو کر گرنے کی مختلف جگہوں کا تعین فرمایا۔ پھر غزوہ بدر میں ہی مسلمانوں نے اپنے ساتھ لڑنے والے فرشتوں کا مشاہدہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذات وہ ہستی ہے کہ جن پر روحانی طور پر علوم کے در اس طرح وا ہوئے کہ کسی اور صحابی پر نہیں کیے گئے۔ اللہ نے آپ

---

[47] Al ʻAnkabūt: 69.

کے قلب پر مختلف الہامات وارد فرمائے جب آپ نے ان کا زبانی اظہار فرمایا تو خود اللہ نے وحی کے ذریعے ان کی تصدیق فرمائی۔ اپنے بندوں کی نصرت و اعانت کے لیے اللہ تعالی نے ان کے ہاتھوں پر مختلف کرامات کا اظہار فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے بوقتِ ضرورت دریا میں گھوڑے ڈال دیے تو وہ کسی کشتی کی مانند تیرتے ہوئے دریا پار کر گئے۔ لیکن اللہ تعالی نے ان بندوں کو یہ مقام مجاہدوں اور مراقبوں کے ذریعے حاصل ہوا۔ غارِ حرا میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا تمام دنیا سے یکسو ہو کر خداوند کو یاد کرنا "مراقبے" کی ایک صورت ہے اور اسی حالتِ مراقبہ میں اللہ تعالی نے آپ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔

غرض یہ کہ خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطے کو اگر 'تصوف" سے تعبیر کر دیا جائے تو اس رابطے کی مختلف ذوقی کیفیتیوں اور انسان کا ان میں مشغول ہو جانا کوئی نئی یا غیر اسلامی بات نہیں ہے۔ اس طرح تصوف کو دین اسلام کے تابع تو مانا جا سکتا ہے دین اسلام سے الگ باور نہیں کیا جا سکتا۔